محمد حنیف ندوی

حج کی فضیلت واہمیت

حج ایک ایسی عبادت ہے جو کہ عمر میں ایک ہی بار فرض ہے مگر ایسی اہم ہے کہ اگر ایک شخص استطاعت رکھتا ہے اور اس پر بھی بغیر کسی عذر شرعی کے اس سے محروم رہتا ہے تو آں حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ اس طرح کے مسلمان کے لیے مسلمان رہنا ضروری نہیں۔ یہ چاہے جس ملت میں اپنا نام لکھوا لے:

من مات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیاً وان شاء نصرانیاً۔

جو اس حال میں مرا ہے کہ اس نے ترک حج کیا۔ وہ جس حال میں چاہے مرے، اللہ کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ چاہے یہودیت پر مرے چاہے عیسائیت پر۔

حج کی ایک کھلی ہوئی فضیلت یہ ہے کہ اسلام کے پروان چڑھنے اور کمال تک پہنچنے کی خوش خبری اسی موقع پر سنائی گئی۔

یعنی اس آیت کا نزول انہیں مبارک ایام میں ہوا

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔

جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو شخص حج سے محروم ہوا وہ دین ہی کی برکات کاملہ سے دست کش ہوا۔

اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

واذن فی الناس بالحج یاتوک

اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کرو کہ تمہاری طرف

رجالاً و علیٰ کل ضامرٍ یاتین من کل فجٍّ عمیقٍ ۔

پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز سے چلے آتے ہوں سوار ہو کر چلے آئیں۔

حدیث میں ہے:

من حج البیت فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبہ کیوم ولدت امہ ۔

جس نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اور اس میں نہ تو کوئی گلوچ سے کام لیا اور نہ کسی فسق کا ارتکاب کیا۔ یہ گناہوں سے یوں پاک ہو گیا کہ جیسے ابھی ابھی اس کی ماں نے جنا ہے۔

اس دن کی برکات کو دیکھ کر شیطان کا کیا حال ہوتا ہے۔ اس کا نقشہ آں حضرتؐ نے اس حدیث میں کھینچا ہے:

ما رؤی شیطان فی یوم اصغر ولا ادھر ولا احقر ولا اغیظ منہ یوم عرفہ ۔

شیطان جس قدر عرفہ کے دن چھوٹا، ذلیل، راندۂ درگاہ اور غضب ناک دیکھا گیا ہے اور کسی دن نہیں دیکھا گیا۔

ایام حج میں شیطان کا اضطراب۔ اولیاء اللہ کا مشاہدہ

بعض اولیاء مقربین کا مشاہدہ ہے کہ انہوں نے فی الواقعہ اپنے مکاشفات میں شیطان کو ان دنوں دیکھا ہے کہ بُرے حالوں میں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کو بہت بڑا صدمہ اس بات سے پہنچتا ہے کہ حجاج کرام اتنی طول طویل مسافتیں طے کر کے بغیر کسی دنیوی غرض کے اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ اخلاص دنیا کے بارہ میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح اس کے لیے مسلمانوں کا تعاون، اتحاد، اور اس طرح ایک برادری کی صورت میں نمودار ہونا بھی ناقابل برداشت ہے۔ مزید برآں یہ روحانی اذیت بھی اس کو مارے ڈالتی ہے کہ یہاں آ کر ہر ہر مسلمان حسنِ خاتمہ کی دعائیں مانگتا ہے۔ جن کا قبول ہو جانا زیادہ اغلب ہے۔

اس کے فضائل ومناقب میں کئی احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

حجة مبرورة خير من الدنيا وما فيها وحجة مبرورة ليس لها جزاء الا الجنة

ایک اور حدیث میں ہے:

استكثروا من الطواف بالبيت	بیت اللہ کا کثرت سے طواف کرو کیونکہ قیامت
فانه اجل شئ تجدونه في	کے روز اس سے زیادہ جلیل القدر اور خوش کن
صحفكم يوم القيمة واغبط	عمل اور کوئی تمہارے صحیفہ اعمال میں لکھا نہیں
عمل تجدونه۔	جائے گا۔

سلف صالحین کا قاعدہ تھا کہ اگر حجاج کے قافلے روانہ ہوتے تو ان کی باقاعدہ مشایعت کرتے۔ اور حجاج بیت اللہ گھروں کو لوٹتے تو ان کا خیر مقدم کرتے۔ ان کی پیشانیوں پر بوسہ دیتے اور ان سے دعا کی مخلصانہ درخواست کرتے۔ اس سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو قدما کے دلوں میں حج کے متعلق تھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ حج صرف ایک عبادت ہی نہیں بلکہ ایک مخصوص عبادت ہے۔

حج کے بعد مکہ میں ٹھہر جانا افضل ہے؟

علمائے حقانی میں وہ لوگ حد درجہ محتاط ہیں جو مکہ میں زیادہ قیام کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے سامنے تین مصلحتیں ہیں:

اوّل: یا تو وہاں رہنے سے بیت اللہ کے ساتھ انس بڑھے گا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ دل کی بے قراری اور بے کلی رفع ہو جائے گی۔ حالانکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے قلب کی ان کیفیات اضطراب کو باقی رہنا چاہیے تاکہ اس کے ساتھ احترام قبلہ کا جذبہ قائم رہے اور یا پھر دل بھر جائے گا۔ اور یہاں ٹھہر جانے والا ایک طرح کی اکتاہٹ سی محسوس کرے گا۔ ظاہر ہے یہ دونوں باتیں مناسب نہیں۔ یہی وجہ ہے جب لوگ حج سے فارغ ہو چکتے تو حضرت عمرؓ پکار کر فرماتے:

یا اھل الیمن یمنکم ویا اھل الشام شامکم ویا اھل العراق عراقکم۔	اے اہل یمن! تم تو یمن کو سدھارو۔ اور شامیو! تم شام کی راہ لو۔ اور عراقیو! تم اپنے عراق میں پہنچو۔ یہاں کوئی رہنے نہ پائے۔

ثانی: یہاں نہ ٹھہرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس طرح دواعی شوق میں تحریک ہوتی ہے۔ اور ایک مسلمان یہ چاہتا ہے کہ یہاں آنے جانے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرے۔ اور قرآن میں بیت اللہ کو جو مثابۃ للناس قرار دیا گیا ہے تو اسی حکمت کے پیش نظر کہ یہ وہ مرکز شوق ہے جہاں پلٹ پلٹ کر اور اد بدا کر مشتاقان زیارت جائیں گے اور سیر نہیں ہوں گے۔ بلکہ لوٹیں گے تو پہلے سے زیادہ بےچینیوں کو لیے ہوئے۔ اس کیفیت اضطراب کو ایک بزرگ نے یوں بیان کیا ہے:

اگر تم اپنے ملک میں ہو۔ اور تمہارا دل بیت اللہ کی محبت میں تڑپ رہا ہے۔ تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم تو بیت اللہ کے قرب میں رہو اور دل کہیں اور الجھا ہوا ہو۔

مکہ مکرمہ میں نیتوں پر بھی مواخذہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایمان افروز استدلال

ثالث: کچھ لوگوں نے اس بنا پر یہاں قیام کو مناسب نہیں سمجھا کہ بہ تقاضائے بشری معصیتوں اور غفلتوں کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ لیکن یہ جگہ ایسی پاک اور اعلیٰ ہے کہ یہاں معمولی فروگزاشت بھی اللہ تعالیٰ کے غصہ وغضب کا سبب بن سکتی ہے۔ عبداللہ بن مسعود کا کہنا ہے کہ نیت پر کسی جگہ بھی مواخذہ نہیں جب تک کہ یہ نیت عمل کی صورت اختیار نہ کرے۔ لیکن یہ مقام ایسا ہے کہ یہاں بری نیت پر بھی گرفت ہے مابہ الاستدلال یہ آیت ہے:

ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔ حج ۲۵	اور جو اس میں شرارت سے کجروی کرنا چاہے اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے

یعنی مجرد ارادہ بھی اگر صحیح نہیں تو باز پرس کی مستحق ہے۔

حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے:

لان اذنب سبعین ذنباً بركية	میں رکیہ میں رہ کر ستر گناہوں کا ارتکاب کر ڈالوں
احب الی من ان اذنب ذنباً	یہ میرے لیے نسبتاً زیادہ پسندیدہ ہے لیکن
واحدا بمکۃ۔	یہ گوارا نہیں کہ مکہ میں رہ کر ایک گناہ بھی سرزد ہو

رکیہ طائف و مکہ کے مابین ایک منزل کا نام ہے جہاں انہوں نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

ان تصریحات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ کی اہمیت کو محسوس کرتا ہے اور ان تمام لطائف و ظرائف کا خیال رکھتا ہے کہ جن کا ذکر ہوا تب بھی یہاں قیام مناسب نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص مکہ میں رہتا بھی ہے، اور اس کی برکات سے بہرہ مند بھی ہے تو اس سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہے؟ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف آں حضرتؐ نے اشارہ کیا ہے:

انک لخیر ارض اللہ واحب بلاد	اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین اور محبوب ترین
اللہ تعالیٰ الیّ ولولا انی اخرجت	سرزمین ہے۔ اور اگر مجھے یہاں زبردستی نکالا نہ
منک لما اخرجت۔	جاتا۔ تو میں نکلنا گوارا نہ کرتا۔

مدینہ کے فضائل

مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ سے بڑھ کر خیر و برکت کی اور کوئی جگہ نہیں۔ اس میں اعمال و حسنات کا درجہ کہیں زیادہ ہے۔ آں حضرتؐ نے نماز کے بارہ میں فرمایا ہے:

صلاۃ فی مسجدی ھذا خیراً من	میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لینا دوسری
الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد	مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بھی بہتر ہے۔
الحرام۔	ہاں مسجد حرام کا اجر اس سے بھی زیادہ ہے۔

اور یہ خصوصیت صرف نمازوں کو ہی حاصل نہیں اس میں کا ہر ہر عمل اور ہر ہر نیکی

المضاعف اجر جاتی ہے۔ مزید براں یہاں رہ جانے اور زندگی گذارنے میں جو لطف ہے۔ آں حضرتؐ نے اس کی طرف خصوصیت سے اشارہ فرمایا ہے:

من استطاع ان یموت بالمدینۃ	جو مدینہ میں تمام عمر رہ سکتا ہے اسے رہنا
فلیمت فانہ ان یموت بھا احسن	چاہیے کیونکہ جو کوئی بھی اس سرزمین میں مرے گا
الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ۔	میں قیامت کے روز اس کی سفارش کروں گا۔

بیت اللہ، مدینۃ الرسولؐ اور مسجد اقصیٰ کے فضائل تو احادیث میں آئے ہیں۔ اور باقی مقامات کا ذکر نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ سب درجہ و رتبہ میں مساوی ہیں اور کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ ایسے اسلامی سرحدات اور مقامات کہ جہاں مجاہدین کی نگرانی اور سرگرمیاں ہوں البتہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ان جگہوں میں جہاد کی تیاری کرنا اور رہنا مدینہ سے افضل شمار کیا جائے گا۔

باقاعدہ سفر کی صعوبتوں کو جھیل کر کہاں کہاں جانا چاہیے۔ اس سے متعلق آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

رحدیث شد رحال کی تشریح۔ اس میں مشاہد انبیاء اور مقابر اولیاء داخل ہیں

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد	تین مسجدوں کے علاوہ شد رحال منع ہے مسجد حرام
المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ	میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

اس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ بڑے بڑے مشاہد اور انبیاء، صلحاء کے مزارات بھی اسی میں داخل ہیں لہذا ان کی زیارت کے لیے جانا بھی ناجائز ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ سوا ان تین مساجد کے اور کسی مسجد کی طرف زیارت اجر کی غرض سے رخ کرنا اس بنا پر ممنوع ہے کہ چاہے وہ دنیا کے کسی

گوشہ میں ہو رتبہ و درجہ میں تو بالکل برابر ہی ہے۔ اس لیے خصوصیت سے ان کو مقصدِ سفر قرار دینے سے فائدہ؟ رہے بڑے بڑے مشاہد یا انقیاء و صلحا کے مقابر کی زیارت تو اس کا اس حدیث سے کیا تعلق؟ جب کہ زیارت قبور خود ماجور بہ ہے۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها ولا تقولوا هجرا

پہلے میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے روکا تھا۔ لیکن اب تم جا سکتے ہو۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ نامناسب کلمات استعمال نہ کرو۔

پھر غور طلب یہ نکتہ ہے کہ دنیا بھر کی مسجدیں تو سب اجر و ثواب میں برابر ہیں اور تمام شہروں اور قصبوں کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی سب شہر اللہ کے شہر اور سب قصبے اللہ کے قصبے ہیں۔ اس لیے یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں کہ کوئی مسلمان ایک شہر سے چلے۔ زحمت سفر برداشت کرے اور کسی دوسرے شہر کی مسجد میں عبادت کی غرض سے پہنچے۔ لیکن مشاہد اس حکم میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان میں کا ہر ہر مشہد برکت و سعادت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام میں جو مرتبہ و درجہ کا تفاوت ہے وہی تفاوت ان کے مزارات کی زیارت میں ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کو مزاراتِ انبیاء پر چسپاں کرنا درست نہیں اور بدرجہ غائت محال ہے تو علماء و صلحاء کی قبروں کی زیارت بھی ممنوع نہ ٹھہری۔ یہاں تک شدِ رحال اور سفر کا بیان تھا۔

ترکِ وطن اور اختیارِ وطن میں دینی مصلحتوں کو ترجیح دینا چاہیے

سوال یہ ہے کہ اپنے شہر یا قصبہ کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ رہائش کے لیے جانا یا مقیم ہو جانا کیسا ہے؟ اگر سفر سے یہ مقصود نہیں کہ گھر سے باہر نکل کر علمی استفادہ کیا جائے تو ہر شخص

---

(۱) مسلم

کے لیے بھی موزوں ہے کہ اپنے ماحول کو ہرگز نہ چھوڑے۔ بشرطیکہ اس کا یہ ماحول اس کے حق میں سازگار ہو۔ اور یہاں رہ کر یہ روح و فکر کے کسی زیان سے دوچار نہ ہو۔ لیکن اگر اپنے اصلی وطن یا ماحول میں اس نوع کی سازگاریاں میسر نہیں تو پھر دوسری جگہ منتقل ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ دوسری جگہ کہیں ہو۔ اس کا انتخاب دینی لحاظ سے ہونا چاہیے یعنی دیکھنا یہ چاہیے کہ یہ جگہ غیر معمولی چہل پہل اور شہرت تو نہیں رکھتی۔ یہاں رہنے سے دین کے تقاضوں میں خلل تو پیدا نہیں ہوگا۔ اور دل کی فراغت اور یکسوئی کو نقصان تو نہیں پہنچے گا۔ اور یہاں رہ کر بندگی و عبادت کے مواقع تو خوب خوب ملیں گے۔ حدیث میں ہے:

البلاد بلاد الله عزوجل والخلق عباد الله فای موضع رائت فیه رفقا فاقم واحمد الله تعالیٰ۔

شہر سب اللہ کے شہر ہیں۔ اور مخلوق سب اللہ کی مخلوق ہے۔ سو تمہیں جہاں بھی سہولت ہو وہیں رہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش میں لگے رہو۔

ایک اور جگہ روایت ہے:

من بورك له فی شیٔ فلیلزمه ومن جعلت معیشته فی شیٔ فلا ینتقل عنه حتی یتغیر علیه۔

جس کسی کے لیے کوئی شے بابرکت ثابت ہو وہ اس کو چھوڑے نہیں۔ اور جب کسی کے لیے معیشت کی کوئی صورت مقرر کر دی گئی ہو تو اس سے وہ دست کش نہ ہو جب تک کہ معیشت کی یہ صورت خود بخود بدل نہ جائے۔

ترکِ وطن اور سفیان ثوریؒ

سفیان ثوری کے بارہ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ کندھوں پر تھیلا رکھے اور ہاتھوں میں جوتا اٹھائے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے پوچھ لیا۔ کہاں کے ارادے ہیں۔ کہا کہ ایک ایسے گاؤں کا قصد ہے جہاں چیزیں نسبتاً ارزاں ہوں۔ کہا گیا کہ آپ کو بھی یہ فکر

لاحق ہے؟ جواب میں کہنے لگے۔ کیوں نہیں۔ تمہیں ہمیشہ ایسی جگہ رہنا چاہیے جہاں بطن و معاش کے تقاضوں کے لیے کم از کم جد وجہد کرنا پڑے۔ جہاں ہموم و افکار کی یلغار برائے نام ہو۔ تم اپنے دینی مطالبوں کو آسانی سے پورا کر سکو۔ جہاں تمہارا دین محفوظ رہے۔ اور جہاں کھانے پینے کی ادنیٰ خواہشات دین کی سلامتی پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

اسی طرح کا ایک اور قصہ بھی ان سے متعلق مشہور ہے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ میں اب تک یہ طے نہیں کر سکا کہ کہاں رہوں۔ ایک صاحب نے خراسان کا ذکر کیا۔ فرمایا وہ مذاہب فاسدہ اور آراء مختلفہ کا بہت بڑا مرکز ہے۔ ان سے کیونکر نمٹ سکوں گا۔ ایک نے کہا۔ شام کو کیوں نہ مشرف فرمایئے۔ کہنے لگے۔ اس میں شہرت کی وجہ سے مجھ پر انگلیاں اٹھیں گی۔ اور اسی سے میں گھبراتا ہوں۔ پھر کسی نے عراق کا نام لے لیا۔ اس پر ان کا یہ اعتراض تھا کہ جگہ بے شک عمدہ ہے۔ مگر امراء و سلاطین اور بڑے بڑے جبابرہ کا مسکن ہے۔ وہاں ضعیفوں اور درویشوں کا کیا کام۔ آخر میں مکہ معظمہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی۔ تو ان کا کہنا تھا۔ کہ وہاں کی عظمت و برکت کے کیا کہنے مگر گرانی ایسی ہے کہ جیب اس کی متحمل نہیں۔ اور گرمی اور تمازت کا یہ عالم ہے کہ جھلس کر رکھ دے۔

حج کے آداب اور اس سے متعلقہ اسرار

حج کے متعدد آداب ہیں۔ ان کا ملحوظ و مرعی رکھنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ ان کے بغیر کوئی شخص اگر چاہے بھی تو اس کی روح سے اور کیفیتوں سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اس طرح کی یکسوئی کہ دل ہمہ تن ذکر و تعظیم شعائر میں مصروف رہے

اول: نفقہ اور زادراہ ہر حال حلال و طیب ہونا چاہیے۔ اور اپنے کاروبار اور مصروفیتوں سے کچھ اس طرح فراغت حاصل کر کے روانہ ہونا چاہیے کہ دل میں کوئی

تشویش اور فکر نہ رہے۔ اور انسان پوری پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کے ذکر اور تعظیم شعائر میں اپنا وقت صرف کر سکے۔ یہ اس لیے کہ عموماً مختلف نیتوں اور مقاصد کو لیے ہوئے لوگ حج کا قصد کرتے ہیں۔ اور ان مقامات میں پہنچ کر بھی دنیا کی طرف سے یکسو نہیں ہو پاتے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

اذا کان اٰخر الزمان خرج الناس الی الحج اربعۃ اصناف سلاطینھم للنزھۃ و اغنیاھم للتجارۃ و فقراءھم للمسئلۃ و قراءھم للسمعۃ۔	آخری زمانہ میں چار قسم کے لوگ حج کے ارادہ سے نکلیں گے۔ سلاطین و امرا تو محض سیر و تفریح کی غرض سے۔ اغنیاء اور ارباب ثروت تجارت کو فروغ دینے کے لیے۔ فقرا بھیک مانگنے کی خاطر، اور قراء وحفاظ ریا و شہرت کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے۔

اس میں آں حضرتؐ نے ان تمام اغراض کو بیان فرمایا ہے جن کا تعلق سراسر دنیا سے ہے۔ اور جو اس درجہ مضر ہیں کہ ان سے چھٹکارا نہ حاصل کرنے کی صورت میں تقاضائے حج ہی سے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور اس مقصدِ عظیم ہی کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے جو ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ بالخصوص اس شخص کو تو حج کی برکات سے قطعی محروم خیال کرنا چاہیے جو دوسروں کے لیے اجرت پر حج کرتا ہے اور اس کو ایک طرح کا پیشہ سا بنا لیتا ہے۔ کیونکہ اس نے اجرت کے ذریعہ دنیا کا سودا کرنا چاہا۔ اور ادنیٰ کے عوض اعلیٰ سے دستبردار ہونا گوارا کیا۔ اصحابِ قلوب اور اربابِ ورع و تقویٰ نے اس فروع کی جسارت کی ہمیشہ مذمت کی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ذاتی طور پر زادِ راہ نہیں رکھتا اور اس نیت سے کسی دوسرے سے مانگ لیتا ہے کہ خود تو بیت اللہ کی زیارت سے

---

(۱) ابو عثمان الصابونی نے کتاب المائتین میں ذکر کیا ہے۔

مشرف ہونے کی سعادت حاصل کرے گا اور حج میں اس کا نائب اور قائم مقام ہو کر گویا اس کا معاون اور مددگار ثابت ہو گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس صورت میں اس نے دنیا کے ذریعہ آخرت کا معاملہ نہیں کیا۔ بلکہ دنیا کو آخرت کا وسیلہ ٹھہرایا ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔ ایسے ہی حج کے بارہ میں آں حضرتؐ کا ارشاد ہے:

یدخل اللہ سبحانہٗ بالحجۃ	اللہ تعالیٰ ایک ہی حج کے سلسلہ میں تین شخصوں کو
الواحدہ ثلاثۃ الجنۃ الموصی	جنت میں داخل کرے گا۔ ایک وصیت کرنے والے
لھا والمنفذ لھا ومن حج	کو، ایک اس کو جو اس وصیت کو پورا کرتا ہے اور
بھا عن اخیہ۔	ایک اس کو جو اپنے بھائی کی طرف سے حج کرتا ہے۔

اس شخص کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے کہ اس نے اپنے ہی بیٹے کو اجرت پر دودھ پلایا۔ حالانکہ دودھ پلانا خود اس کے فرائض میں داخل تھا۔ اس بنا پر حج بدل کو ہم ناجائز نہیں کہتے اور نہ مکروہ ہی جانتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مطلوب اجرت، زادِ راہ، اور دنیاوی آسائشیں نہ ہوں بلکہ خود حج ہو اور بیت اللہ کی زیارت ہو۔

زادِ راہ کی فراوانی ہو تاکہ امورِ خیر میں دل کھول کر خرچ کر سکے

ثانی: زادِ راہ میں فراوانی اور توسع کا خیال رہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے سلسلہ میں دل میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کرے بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہو اسراف و تقلیل سے دامن بچاتے ہوئے بے خوف خرچ کرے۔ اسراف سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ کام و دہن کی تواضع میں اور عمدہ عمدہ کھانے پینے کی چیزوں پر توجہ صرف نہ کرے یہ نہیں کہ فی سبیل اللہ اور امورِ خیر پر خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں تو اصول یہ ہے کہ جتنا خرچ کیا جائے اتنا ہی بجا اور موزوں، بارآور اور نتیجہ خیز۔ یعنی نیکی کے کاموں میں اسراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہی معنوں میں حضرت عمرؓ کا قول ہے

من کرم الرجل طیب زادہٗ فی سفرہٖ	زادِ سفر کا عمدہ اور زیادہ ہونا شرافت و کرم کی دلیل ہے

آں حضرتؐ کا ارشاد ہے:

الحج مبرور لیس لہٗ جزاء الا الجنۃ فقیل لہٗ یا رسول اللہ ما بر الحج فقال طیب الکلام واطعام الطعام۔

حج مبرور کی جزا جنت ہے ادھر ادھر اور کوئی چیز نہیں۔ پوچھا گیا۔ یا رسول اللہ! حج مبرور کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا، بات چیت میں شائستگی ملحوظ رکھنے سے اور غریبوں کو کھانا کھلانے سے۔

فسق وفجور سے احتراز

ثالث: بے ہودہ گوئی اور فسوق وجدال سے کلیتہً کنارہ کشی اختیار کی جائے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بے ہودہ گوئی کا اطلاق کن کن حرکات پر ہوتا ہے یہ ایک جامع لفظ ہے۔ اس میں ہر لغو اور فحش بات داخل ہے۔ حتیٰ کہ عورتوں کے بارہ میں جنسی گفتگو اور ان کے حسن وجمال سے متعلق اشارات وکنایات میں تغزل و تلذذ بھی ممنوع ہے۔ اور ایسی تمام باتیں اس کے دائرہ میں داخل ہیں جو نفسی ہیجان پر منتج ہوں۔ فسوق سے مراد ہر وہ حرکت ہے جو اطاعتِ الٰہی سے روگردانی پر مجبور کرے۔ اور جدال کہتے ہیں لڑائی جھگڑے میں مبالغہ کرنے کو۔ اور ہر اس اختلاف اور اقدام کو جس سے حسد وکینہ کے جذبات ابھریں اور طبیعت کی یکسوئی اور اطمینان جاتا رہے۔ نیز انسان حسنِ اخلاق کی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ حضرت سفیان کا قول ہے:

من رفث فسد حجہٗ۔

جس نے بیہودہ گوئی سے کام لیا اس کا حج باطل ہو گیا۔

آں حضرتؐ نے بات چیت اور باہمی گفتگو میں شائستگی کو اتنا اہم قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر حج پروان نہیں چڑھتا۔ اور نہ اس کے اعلیٰ تقاضے ہی پورے ہوتے ہیں۔ اس لیے حجاج پر لازم ہے کہ اپنے رفقائے سفر کے ساتھ بدرجۂ غائت نرمی سے پیش آئیں۔ ان پر

---

(۱) حاکم

اعتراض نہ کریں۔ اور نہ کوئی ایسی بات کہیں کہ جس سے ان کے دل آزردہ ہوں۔ یہی نہیں ہر نوع کی اذیت کو برداشت کریں۔ اور حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں۔ کہ حسنِ خلق اسی برتاؤ کا متقاضی ہے۔

سفر کی وجہ تسمیہ اور حضرت عمرؓ کا حکیمانہ قول۔ انسانی اخلاق کا حقیقی پیمانہ سفر ہے۔

بعض اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ سفر (جس کے معنی واضح ہونے کے ہیں) سفر اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور تصنع اور بناوٹ کے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دورانِ سفر میں ساتھیوں کے ناگوار اور نامرغوب طرزِ عمل سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ حتی المقدور ان کو برداشت کرنا چاہیے۔ اس موضوع پر حضرت عمرؓ کی یہ بات کس درجہ حکیمانہ ہے کہ سفر اخلاق و مروت کا بہترین معیار ہے۔ ایک صاحب نے ان کے سامنے کسی شخص کے مکارمِ اخلاق کی بہت تعریف کی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

هل صحبته في السفر	کیا تمہیں اس کے ساتھ سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا ہے؟

اس نے کہا۔ جی نہیں۔ آپ نے فرمایا:

ما اراك تعرفه۔	تب تو اس کو ٹھیک ٹھیک نہیں پہچان پایا

مناسکِ حج پیدل چل کر طے کرنا چاہیے

رابع: مناسکِ حج پیدل چل کر طے کرے۔ اور سواری سے حتی الامکان کنارہ کش رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی

یا بنی حجوا مشاةً	اے میرے بچو! حج کرو تو پیدل چل کر۔

کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ بالخصوص جب کلام سنا جاتا ہے اور وہاں سے واپس آنا ہو۔ تو پیدل ہی چلنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ، علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے اتمام حج سے تعبیر کیا ہے :

واتموا الحج والعمرۃ للہ ۔	اور خدا کی خوشنودی کے لیے حج وعمرہ کو پورا کرو

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ سواری کا اہتمام افضل ہے ۔ اس لیے کہ اس میں بہر حال کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے ، اور اس لیے بھی کہ اس سے سکون قلب کی نعمت میسر رہتی ہے ۔ اور طبیعت میں سفر کی مشکلات سے تکدر نہیں پیدا ہوتا ۔ ہمارے نزدیک اس میں اور پہلی صورت میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا ۔ بلکہ یہاں ایک باریک فرق ہے ۔ جسے ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے ۔ وہ یہ ہے کہ اگر پیدل چلنا آسان ہو تو اس کے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ اور اگر اس سے ضعف اور نقاہت بڑھے تب سواری کا انتظام کر لینا بہتر ہے ۔ جیسے کہ مسافر کے لیے روزہ افضل ہے مگر مریض کا یہ حکم نہیں ۔ وہ اس صورت میں اس کی برکات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ اس سے کسی مضرت کے لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو ۔

سواری کی شکل میں محمل و ہودج کی ممانعت اور اس کا فلسفہ ۔ اس کا تعلق امراء و سلاطین سے ہے

خامس : سوار ہو تو اونٹ پر محمل و ہودج کی قسم کی کوئی چیز نہ ہو ۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ ناقہ یا اونٹ کو خواہ مخواہ زحمت میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے ۔ اور اس پر غیر ضروری بار نہیں لادنا چاہیے کہ شفقت علی خلق اللہ کا یہی تقاضا ہے ۔ دوسرے آراستہ و پیراستہ محمل و ہودج کی رسم امراء و اغنیاء کے تکلفات اور تہذیب سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے ۔ آں حضرتؐ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے :

حج رسول اللہ علی راحلۃ وکان تحتہ رحل رث و قطیفۃ خلقۃ قیمتھما اربعۃ دراھم ۔	آپؐ نے ناقہ پر حج کیا ۔ لیکن اس حال میں کہ اس پر جو کجاوہ رکھا تھا وہ پرانا اور بوسیدہ تھا اور اس کے نیچے کا جو نمدا تھا ۔ اس کی قیمت چار درہم سے زیادہ کیا ہو گی ؟

بعض علماء کی رائے میں تفاخر کی یہ بدعت حجاج کی رائج کردہ ہے۔ اس نے پہلے پہل محمل زریں اور پُرتکلف ہودج کا استعمال کیا۔ اگرچہ اس کے عہد پُرآشوب میں بھی اس بدعت کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں ہو پائی۔ سفیان ثوری کے والد ماجد کا کہنا ہے کہ میں کوفہ سے حج کی غرض سے نکلا۔ اور قادسیہ تک برابر دیکھتا رہا۔ راستے میں بہت سے اغنیاء ملے اور کئی قافلوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ لیکن ان سب میں دو محملوں کے سوا اور کوئی محمل نظر نہیں آیا۔

عبداللہ بن عمر نے ایک غریب حاجی کو دیکھا کہ خود سامان کے بورے اٹھائے ہوئے چلا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کو حجاج کے تزک و احتشام کے باوجود زیادہ اجر ملے گا۔

وضع قطع میں سادگی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور تفاخر و زینت سے بچنا چاہیے

سادس: حج کے لیے نکلے تو ایسے لباس میں اور وضع میں کہ جس میں زینت و تفاخر نہ پایا جائے۔ بلکہ اگر لباس دریدہ، بال پریشان، اور چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا ہو تو یہ انداز اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر ٹھاٹھ اور سج دھج کو قائم رکھتا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں زمرۂ متکبرین میں نہ لکھا جائے۔ اور صلحاء و مساکین کے گروہ سے خارج نہ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرتؐ نے تصنع اور تکلف سے منع کیا ہے۔ اور آشفتہ حالی اور ننگے پاؤں چلنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ وضع اس درجہ پسند ہے کہ اس پر یہ کہہ کر فرشتوں کو متوجہ کرتا ہے:

انظروا الی زوار بیتی و قد	میرے گھر کے زائرین کو دیکھو کہ کس طرح آشفتہ
جاروني شعثًا ۔ غبرًا من	اور غبار آلود حالت میں دور دراز کی مسافت
کُلِّ فجٍّ عمیق۔	طے کر کے میرے پاس آئے ہیں۔

اسی مناسبت کے پیش نظر حضرت فاروقؓ نے امرائے جنود کو خصوصیت سے ہدایت کی:

اخلَوُا القوا واخشوا شنوا — پرانی چیزیں استعمال کرو۔ اور موٹا جھوٹا پہنو۔

مناسک کے سلسلہ میں جانوروں سے تلطف اور نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیے

سایع: جانور کے ساتھ نرمی اور تلطف کا برتاؤ کرے۔ یعنی نہ اس پر اتنا بوجھ لادے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ اور نہ اس کو استراحت اور سونے کی غرض ہی سے استعمال کرے۔ کیونکہ اس سے بھی اس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہی سبب ہے اہل تقویٰ نے ہمیشہ اس سے گریز کیا ہے۔ یہ نہ تو اس پر سوتے ہیں اور نہ زیادہ عرصہ تک اس پر سوار ہی رہتے ہیں۔ آں حضرتؐ کا ارشاد ہے:

لَا تتخذوا ظهور دوابكم كراسی۔ — اپنے جانوروں کی پشت کو کرسیاں تصور نہ کرو۔

مسلمانوں کے دائرۂ الفت و حسنِ سلوک کی وسعتیں۔ حیوانات سے برتاؤ کی عارفانہ مثالیں

جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے کئی قصے مذکور ہیں جو یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ ایک بزرگ کے متعلق مروی ہے وہ جب کرایہ پر جانور لیتے تو پہلے یہ طے کر لیتے کہ میں راستے میں کہیں اتروں گا نہیں۔ پھر جب معاملہ طے ہو جاتا اور یہ سوار ہو چکتے تو راستے میں اترتے ہوئے، اور جانور کو آرام پہنچاتے ہوئے چلتے۔ اس طرزِ عمل سے ان کی غرض یہ ہوتی کہ جانور کو آرام پہنچانے کا ثواب ان کے کھاتے میں لکھا جائے۔ کرایہ پر دینے والے کے کھاتے میں نہیں۔

ابوالدرداء کا اونٹ مرنے لگا تو انہوں نے کہا:

يَا أَيُّهَا البعير لا تخاصمنی الی ربك فَإِنِّي لم اكن احملك فوق طاقتك۔ — اے اونٹ! خدا کے ہاں میرے معاملہ میں شکایت نہ کرنا۔ کیونکہ میں نے تم پر تمہاری قوت سے زیادہ بوجھ لادنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

عبداللہ بن المبارک کہیں جا رہے تھے۔ ایک صاحب نے کہا۔ میری یہ کتاب لیتے جائیے اور فلاں صاحب کو پہنچا دیجیے۔ انہوں نے کہا۔ مجھے اونٹ والے سے مشورہ کر لینے دو۔ اگر

اس نے اجازت دی تو میں سے جا سکوں گا ورنہ نہیں۔

سفرِ حج میں بشاشت اور انشراحِ قلب کی کیفیتیں تازہ رہنی چاہئیں

ثامن: اثنائے سفر میں نفس و قلب کی بشاشت قائم رہے۔ مصارف سے طبیعت میں تکدر نہ پیدا ہو۔ اور نہ اگر مال یا قربانی کے جانور کے سلسلہ میں کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو تو اس سے گھبرائے نہیں کہ یہ بھی قبولیت حج کے علائم میں ہے۔ حج جہاد کی مانند ہے۔ جس طرح اس میں ہر ہر قدم پر ثواب و اجر کی بارش ہوتی ہے اور اس راہ کے شدائد بر کا موجب ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس میں بھی "تکالیف و محن برداشت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں امڈ آتی ہیں۔ قبولیت حج کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ حجاج اپنے رفقاء اور ساتھیوں کا جائزہ لیتے رہیں اور اگر دیکھیں کہ ان میں دین کا ذوق و شوق کم ہے اور محض دنیا طلبی ان کا مقصود ہے تو ان کو چھوڑ دیں۔ اور ایسے رفقاء تلاش کریں جو نیک اور صالح ہوں۔ اسی طرح ایسی مجالس میں بیٹھنے سے احتراز کریں کہ جن میں لہو و لعب کا غلبہ ہو۔ اور ان کے بجائے نشست و برخاست کے لیے ایسے حلقے پسند کریں جن میں ذکر و بیداری کا چرچا ہو۔ (باقی آئندہ)

مسلمانوں کے سیاسی افکار

مصنفہ پروفیسر رشید احمد

سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں مسلمان مفکروں اور مدبروں کے نظریات کی خاص اہمیت ہے لیکن ان کے نظریات کو ایک جگہ جمع کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے ــــ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے بارہ مفکروں کے نظریات پیش کیے گئے ہیں اور کتاب کے شروع میں قرآنی نظریۂ مملکت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کو تمام مفکرین نے اپنے نظریات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قیمت ۵ روپے ۷۵ ۔

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور